اگر تمام معاشرتی اقدار کو کسی ایک لڑی میں پرونا چاہیں تو وہ خیر خواہی ہے۔ اسی خیر خواہی کے مظاہر عدل، محبت، سخاوت، مساوات، آزادی کے الفاظ کا روپ دھارتے ہیں۔ یہ مظاہر بھی ایک حد تک ہر معاشرے میں یکساں ہیں، لیکن ان کے اطلاق کی صورتیں مختلف ہو جاتی ہیں۔ یہ چیز اس دھوکے کا باعث بنتی ہے کہ اقدار ایک تغیر پذیر معاشرتی معاملہ ہے۔

تمام اخلاقی اقدار میں اصل اصول کی حیثیت ایک دوسرے کی خیر خواہی کو حاصل ہے۔ یہی حقیقت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 'الدین النصیحۃ' کے لافانی الفاظ میں بیان کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں یہ بھی واضح فرما دیا کہ اس خیر خواہی کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ یہ انسان کی اپنی ذات سے لے کر معاشرے، حکومت یہاں تک کہ دین اور خدا کے لیے بھی مطلوب ہے۔

—— طالب محسن

سازش اغیار کا فلسفہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مقدمہ یہ ہے کہ اسلام اور مسلمان ایک سازش کی زد میں ہیں جس کا تانا بانا اغیار نے کمال مہارت کے ساتھ بنا ہے۔ آج مسلمان معاشرے داخلی اور خارجی طور پر جن مسائل کا شکار ہیں وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسی سازش کے مختلف مظاہر ہیں۔ یہ فرقہ واریت، مساجد اور امام بارگاہوں پر حملے، مذہبی انتہا پسندی، یہ سب ہمارے دشمنوں کا کمال ہے۔ اب یہ کہا جا رہا ہے کہ اعتدال پسند اسلام (Moderate Islam) کے نام سے جو تعبیر دین پیش کی جا رہی ہے، یہ بھی دراصل سی آئی اے کی سازش ہے۔ اس مقدمے کے حق میں سب دلائل بھی وہیں سے آ رہے ہیں، جہاں اس سازش کا منبع ہے، یعنی انھی لوگوں کے بیانات اور تحریریں جو یہ سازش تیار کرنے والے ہیں۔ گویا ہم سازش کے اثبات کے ساتھ ان کی صداقت کی بھی گواہی دے رہے ہیں۔

یہ مقدمہ کچھ ایسا نیا نہیں۔ مسلمانوں کی صدیوں پر پھیلی تاریخ سے اس کے بے شمار شواہد اس سے پہلے بھی پیش کیے جاتے رہے ہیں۔ اگر مسلمانوں کے باہمی اختلافات پر نظر ڈالیے تو ہر فرقہ دوسرے کے وجود کو کسی ایرانی، عجمی یا یہودی سازش کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اس مقدمے میں صحت کتنی ہے، اس سے تھوڑی دیر کے لیے صرف نظر کرتے ہوئے، آیئے، اس نقطۂ نظر کا اس پہلو سے جائزہ لیں کہ اس کو صحیح مان لینے کے نتیجے میں مسلمانوں کی نفسیات پر اس کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر ہر واقعہ اور ہر حادثہ کسی سازش کا نتیجہ ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا دشمن اتنا طاقت ور اور ذہین ہے کہ ہم عملاً اس کے سامنے بے بسی کی تصویر بن گئے ہیں۔ دنیا کی عسکری قوت اس کے پاس ہے۔ تمام میڈیا اس کی دسترس میں ہے۔ وہ چاہے تو طاقت سے ہمیں نیست و نابود کر دے اور وہ ہماری شکل جیسی چاہے، دنیا کو دکھا دے۔ لہٰذا ہمارے پاس اب دو راستے ہیں: ہم کہیں سے وسائل جمع کریں اور طاقت کے ان ایوانوں کو آگ لگا دیں یا پھر دنیا کی سیاست و معیشت سے لاتعلق ہو جائیں اور لوگوں کو محض رجوع الا اللہ کی وہ دعوت دیں جس کا ایک مظہر ہماری تبلیغی جماعت ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر اس مسئلے کا کیا حل ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ انتہا پسندی دشمنوں کی سازش ہے اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ امور دنیا سے مسلمانوں کو لاتعلقی کی تعلیم دینا بھی دراصل دشمن ہی کی ایک چال ہے۔ اللہ کے یہ سادہ دل بندے اب کدھر جائیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ سازش کا یہ نظریہ مسلمانوں کو ردعمل کے مقام پر لا کھڑا کرتا ہے۔ وہ اپنے زوال کا اگر کوئی حل تلاش کرتے ہیں تو وہ ردعمل اور دفاعی حکمت عملی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کھیل کے قواعد و ضوابط کا تعین کبھی مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں آ سکتا۔ اسی طرح یہ انداز فکر انھیں مثبت رویے سے محروم کر دیتا ہے۔ وہ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ہمیں تو مرنا ہی ہے، کیوں نہ دشمن کے چند لوگ لے مریں۔ یہ مایوسی کی انتہائی شکل کا ظہور ہے۔ اسامہ بن لادن کی تحریک اور پھر خودکش حملوں کے رجحان میں اسی نفسیات کا دخل ہے۔ جو لوگ بحیثیت قوم اس موقف کو اپنا لیں، ان کے لیے کسی اچھے مستقبل کی پیش گوئی مشکل ہو جاتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ سازش کا فلسفہ پورے معاشرے پر شک کی ایک ایسی چادر تان دیتا ہے، جس کے بعد ہر آدمی دوسرے آدمی کو مشکوک نظروں سے دیکھتا ہے۔ ہر فرد کو دوسرا فرد دشمن کا ایجنٹ دکھائی دیتا ہے۔ ذرا غور کیجیے، اگر اسلام کی انتہا پسندانہ تعبیر سازش ہے، ماڈریٹ اسلام سازش ہے، معاشرے کو سیکولر بنانے کی کوششیں تو ہیں ہی سازش تو پھر اس کے بعد ہمارے معاشرے میں آخر وہ کون ہے جو کسی نہ کسی سازش کا شکار نہیں۔ اگر دینی مدارس میں بھی ایک سازش کے تحت لوگ داخل کیے جا رہے ہیں تو ان اداروں کے فارغ التحصیل لوگوں میں سے کس کے بارے میں یہ یقین سے کہا جا سکے گا کہ اس کا وجود کسی سازش کا مظہر نہیں ہے۔ این جی اوز کے بارے میں ہمیں پہلے ہی حق الیقین ہے کہ وہ اغیار کی سازش ہے۔ اب اس معاشرے میں کون ہے جو سازشی نہیں یا کسی سازش کا شکار نہیں؟ شک کی یہ فضا ہمیں ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کرتی ہے کہ ہمیں اپنے بھائی پر بھی اعتبار نہیں رہتا۔ شک کا یہ فلسفہ افراد کے درمیان ایسی دیواریں کھڑی کر دیتا ہے، جس کے بعد، کسی وحدت فکر و عمل کا امکان باقی نہیں رہتا۔

اگر ہم سازش کے اس نظریے کے دیگر نفسیاتی اثرات سے آنکھیں بند کر لیں تو یہی تین اثرات یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ اس نظریے کی اشاعت اور ترویج ہمیں کس نفسیاتی بحران میں مبتلا کر رہی ہے۔ مجھے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

خلاف اس سے بڑی سازش کوئی نہیں ہوسکتی کہ انھیں سازش کی نفسیات میں مبتلا کر دیا جائے۔ اس کے بعد ان میں ساری عمر کسی مثبت سوچ کے پیدا ہونے کا امکان خود بخود ختم ہو جائے گا۔

اگر اس تجزیے سے اتفاق کر لیا جائے تو پھر یہ سوال غیر متعلق ہو جاتا ہے کہ سازش کے اس مقدمے میں کتنی صحت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر قوم کے پاس جینے کا صرف ایک راستہ ہے کہ وہ اپنے مسائل پر ٹھنڈے دل سے غور کرے اور اپنے فکری اور عملی ارتقا اور ترقی کے لیے ایک مثبت لائحہ عمل اختیار کرے۔ وہ سب سے پہلے یہ سوچے کہ کیا بات اس کے لیے درست ہے اور کیا غلط۔ اس انداز فکر کے نتیجے میں اس کے اندر یہ شعور پیدا ہوگا کہ وہ باہر کی دنیا سے ایک مثبت تعلق استوار کرے۔ اس کے بعد اگر باہر سے آنے والی کوئی چیز ایسی ہے جو اس کے ارتقا میں معاون ہے تو اسے اختیار کرنے میں اسے کوئی تامل نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی چیز اس کے ملی وجود کے لیے غیر مفید ہے تو معاشرہ اسے خود بخود اگل دے گا۔ مثال کے طور پر ہمارے ہاں بہبود آبادی کے لیے جاری مہم زیادہ تر باہر سے آنے والے وسائل سے چلتی ہے۔ اب ہمیں سوچنا ہے کہ کیا آبادی کا بڑھنا فی الواقعہ ہمارے مسائل میں اضافہ کر رہا ہے۔ کیا ہمارے ہاں فرد کی اس حوالے سے تربیت کی جانی چاہیے کہ وہ اپنے خاندان کی فلاح و بہبود کے لیے ایک منصوبہ بنائے۔ اس باب میں ہماری دینی اور تہذیبی روایات کیا کہتی ہیں۔ جب ایک فرد اور ایک قوم ان سوالات پر غور کریں گے تو انھیں اندازہ ہو جائے گا کہ باہر سے آنے والے ہوا کے اس جھونکے کے لیے انھیں اپنی کھڑکی کھولنی چاہیے یا نہیں۔ پھر یہ بات خود بخود غیر متعلق ہو جائے گی کہ یہ مہم کسی سازش کا نتیجہ ہے یا نہیں ہے۔

دنیا میں پیدا ہونے والا ہر مسئلہ کسی سازش کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ بہت سے مسائل انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی حماقتوں کے نتائج ہوتے ہیں، جس سے ہر قوم دوچار ہو سکتی ہے۔ امریکی صدر بش نے ایسی حکمت عملی اختیار کی ہے جو ظلم پر مبنی اور انسانی فطرت سے متصادم ہے۔ اس کے بعض ناگزیر نتائج نکلیں گے جس سے وہ انفرادی طور پر اور امریکی قوم اجتماعی طور پر متاثر ہو گی۔ اسی طرح ہم نے افغانستان میں ایک حکمت عملی اختیار کی جس کے نتائج سے ہم بچ نہیں سکتے تھے۔ مثبت انداز فکر خود احتسابی کا جذبہ پیدا کرتا اور ایسی حماقتوں سے انسانوں کو محفوظ رکھتا ہے اور سازشوں کے اثرات سے بھی۔

مسلمانوں کی تاریخ میں قرآن مجید کو محرف ثابت کرنے کی سازش ہوئی۔ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کی روایت کو مشکوک ثابت کرنے کی کوشش ہوئی اور پوری تاریخ کو مسخ کرنے کی سعی بھی کی گئی۔ آج تاریخی اعتبار سے یہ ثابت ہے کہ ہمارے پاس وہی قرآن ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ ہمارے پاس اعمال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ریکارڈ موجود ہے جس کی رسول اللہ سے روایت میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نتیجہ ہے مسلمانوں کی ان مثبت کوششوں کا جو انہوں نے قرآن مجید کو تحریف سے محفوظ رکھنے اور سنت رسول کے عملی تواتر کو باقی رکھنے کے لیے کیں۔ تاریخ کے باب میں اس نوعیت کی کوئی بڑی کوشش نہیں ہوئی، اس لیے اس میں رطب و یابس سب کچھ موجود ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میرا کہنا یہ ہے کہ مسلمانوں کے مسائل کا حل داخل میں ہے خارج میں نہیں۔ اسلام قرآن وسنت کی محکم اور یقینی بنیادوں پر کھڑا ہے، ان کی موجودگی میں حق ہمیشہ باقی رہے گا اور اس کی کوئی غلط تعبیر مسلمانوں میں عمومی طور پر جگہ نہیں پا سکتی۔ ان گمراہ فرقوں کی داستانیں اس کی گواہ ہیں جنھوں نے مسلمانوں میں جنم لیا اور پھر دم توڑ گئے۔ رہی بات مسلمانوں کی تو ان کی اپنی اور پھر دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کی تاریخ گواہ ہے کہ قوموں کے عروج وزوال کا انحصار کن باتوں پر ہے۔ ابن خلدون سے لے کر پال کینیڈی تک لوگوں نے بارہا یہ داستان لکھی۔ مسلمان اس کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ لیں۔ اس کے بعد انھیں یقین آ جائے گا کہ سازش کی نفسیات سے نکلنا اور مثبت انداز فکر اپنانا ہی ان کی ترقی کی طرف پہلا قدم ہے۔

——— خورشید احمد ندیم

فہم انسانی کی فضلیت

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جانوروں کا جہاں سے دل چاہتا ہے، کھا پی لیتے ہیں۔ کھیت کسی کا ہو، چر لیتے ہیں۔ پیشاب، پاخانہ کرنے میں انھیں موقع ومحل کا لحاظ نہیں ہوتا۔ وہ اپنی دوسری ضرورتیں بھی ایسے ہی پوری کر لیتے ہیں۔

دوسری طرف انسان ہر کام دیکھ بھال کر کرتا ہے۔ کھانے پینے، رفع حاجت اور زندگی کے دوسرے معمولات ایک قاعدے وضابطے کے مطابق انجام دیتا ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ اسے عقل اور سمجھ جیسی دولت عطا کی گئی ہے۔ پھر بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ انسان اپنی خواہش پوری کرنے میں جائز وناجائز کا فرق بھلا دیتا ہے۔ دوسروں کا مال ہتھیانے اور ان کی عزت پر حملہ کرنے میں اس کو شرم محسوس نہیں ہوتی۔ ماہرین حیاتیات کا کہنا ہے کہ جانوروں کی زندگی بھی ان خاص اصولوں اور رجحانات کے تابع ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں راسخ کر دیے ہیں۔ لیکن انسان کو یہ آزادی ملی ہوئی ہے کہ وہ اپنے مقام ومرتبے پر قائم رہے یا اس سے گر کر حیوانی سطح پر آ جائے۔ جب تک انسان ہوش وحواس میں ہوتا ہے، اسے خبر ہوتی ہے کہ وہ انسانی شرف کا پاس کر رہا ہے یا اپنے مقام سے گر چکا ہے۔ لہٰذا عقل اور سمجھ ہی ایسی چیز ہے جو انسانوں اور جانوروں میں تفریق کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے بہتوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے۔ ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، ان کے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں۔ یہ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی